خداپرستی اور مادیت کی جنگ

جناب مولانا سید کاظم صاحب نقوی ریڈر شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

(۲)

یہ بدنظمیاں کیوں اور کس لیے ؟ کہا جاتا ہے کہ یہ وسیع اور عظیم دنیا ویسی منظم اور مرتب نہیں ہے جیسا کہ خدا پرستوں کی طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اس عالم رنگ و بو کے گوشہ و کنار میں بہت سی چیزیں ایسی دکھائی دیتی ہیں جن کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس دنیا میں بدنظمیاں بھی موجود ہیں جو صاف صاف بتا رہی ہیں کہ اس عالم کے وجود میں آنے کا کوئی مقصد نہیں ہے کسی غرض کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی صاحب عقل ہستی نے دنیا کی ان تمام چیزوں کو اپنے ارادے اور اختیار سے نہیں پیدا کیا ہے۔

اس اعتراض کو مادہ پرستوں نے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مثلاً جرمن سائنسداں ڈاکٹر بوخنر (BOCHNER.) اس اعتراض کو مندرجۂ ذیل لفظوں میں ذکر کرتے ہیں:

"اگر مختلف قسم کے موجودات مثلاً انسان اور جانور کے رہنے کی جگہ وجود میں لانا کسی باشعور پیدا کرنے والی طاقت کے ذمّے ہوتی۔ اس کے قدرت و اختیار کے ہاتھوں یہ کام انجام پایا ہوتا تو یہ وسیع فضا جو ہر چیز سے خالی ہے ہر قابل استفادہ عنصر سے محروم ہے اور اسے مختلف کواکب و سیارات اپنی سیر و تفریح کا میدان بنائے ہوئے ہیں کس مقصد کے لیے خلق ہوئی اور اس کا کیا فائدہ ہے؟ منظومۂ شمسی کے دوسرے کروں سے زمین کے کرہ سکون کے مخلوقات کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟" ([illegible])

بعض دوسرے منکرینِ خدا اسی غلط فہمی میں اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زمین کی گہرائیوں میں۔ اندھیرے غاروں میں ایسے جانور دکھائی دیتے ہیں جن کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے علاوہ ان کے چہروں پر دو ننھی آنکھیں موجود ہیں جن کا ان کی زندگی میں یقیناً کوئی اثر نہیں ہے۔ اسی طرح انسان یا بعض دوسرے حیوانات کے جسموں میں ایسے اعضاء نظر آتے ہیں جو بے ضرورت ہیں۔ ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ منجملہ ان کے مردوں کے سینے پر دو چھوٹے چھوٹے نشان موجود ہیں جن کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ ان کی زندگی میں ان نشانوں کا کوئی اثر ہے۔" (عرفان و اصول مادی)

یہ اعتراض چند رخوں سے قابلِ بحث ہے:

۱- تضاد گوئیاں | حقیقت یہ ہے کہ مادیین کی باتوں میں کھلا ہوا تضاد نظر آتا ہے۔ ایک طرف یہ حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ عالم از سرتا پا کچھ مادی اصول کا پابند ہے۔ اس میں کوئی غیر منظم چیز دکھائی نہیں دیتی ہے اس لیے ان نیچرل قوانین اور ضوابط سے بالاتر کسی طاقت کو وجود نہیں مانا جا سکتا۔ لیکن مذکورۂ بالا اعتراض میں آپ دیکھ رہے ہیں وہی حضرات اس کے بالکل برعکس فرما رہے ہیں کہ دنیا میں ہمیں بدنظمیاں نظر آتی ہیں لہٰذا کوئی صاحب عقل و اختیار۔ علیم و حکیم ذات موجود نہیں ہے۔ یہ بدنظمیاں اس طرح کی طاقت کو ماننے کی اجازت نہیں دیتی ہیں۔

اس بنا پر مادہ پرست طبقہ یا یہ تسلیم کرے کہ عالم سر سے پیر تک منظم اور مرتب ہے۔ ناقابلِ تبدیل اصول اور قوانین اس پر حکومت کر رہے ہیں۔ اس صورت میں اسے موجودہ اعتراض سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ وہ اگر موجودہ اعتراض پر جما رہنا چاہتا ہے تو اس کو خیرباد کہنا ہوگا جو ہر آن لوگوں کی زبانوں پر آتی رہتی ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ اس کی بابت بھی کچھ گفتگو کی جائے۔

۲- عقل سلیم سے کام لیجیے | ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کسی چیز کے مفید اور غیر مفید ہونے کا

معلوم کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ اس بات کا معیار کیا ہے؟ مثلاً کس طرح ہم سمجھیں کہ مردوں کے سینے کے اوپر جو نشانات ہیں ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے یا ان کے علاوہ بہت سے کتنے بے فائدہ ہیں؟

یقیناً مادیین کی طرف سے اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ چونکہ ہمیں ان چیزوں میں کوئی فائدہ نہیں نظر آتا ہے لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ وہ غیر مفید ہیں۔ کسی چیز میں فائدہ ہونے اور نہ ہونے کا معیار ہماری تشخیص ہے۔

ان حضرات سے ہماری عرض ہے کہ پھر آپ یہ نہ کہیے کہ مردوں کے سینہ کے نشان یا فلاں غارنشین جانور کی بے نور آنکھیں غیر مفید ہیں۔ اب یوں فرمایئے کہ ہم نے ان میں کوئی فائدہ نہیں پایا اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہم ان کے فائدے سے بے خبر ہیں حقیقتاً مادہ پرست اگر معقولیت سے کام لیں تو انھیں "نہیں ہے" کے بجائے کہنا چاہیے "ہم نہیں جانتے" اور "ہم ناواقف ہیں"

اس بنا پر اب اعتراض کی صورت بدل گئی۔ وہ نفی مطلق کے درجہ سے اتر کر عدم علم کے درجہ میں آگیا۔ اب یوں کہا جائے گا کہ دنیا کے بہت سے موجودات میں ہم نے کوئی فائدہ نہیں دیکھا یا ہم ان کے مفید ہونے سے ناواقف ہیں۔

۳۔ انسانی علم کی قیمت | اب جبکہ بات کھنچکر یہاں تک پہونچ گئی ہے تو چند سوال پیش آتے ہیں:

الف۔ انسانی علوم اور معلومات محدود ہیں یا غیر محدود؟

ہر شخص کہے گا کہ انسانی علم محدود ہے۔ انسان کے معلومات کی تعداد مجہولات کی تعداد کی بہ نسبت بہت کم ہے۔

ب۔ آیا ہم ان محدود معلومات کے ذریعہ تمام چیزوں کو جانتے ہیں؟ کیا ہمیں معلوم ہے کہ آسمانوں کی بلندیوں میں کیا ہے؟ زمین کی تہوں اور سمندروں کی گہرائیوں کے اندر کیا چیزیں

ہیں۔؟

اس سوال کا جواب بھی معلوم ہے کیونکہ محققین اور بڑے بڑے سائنسداں صریحاً کہتے ہیں کہ ہمارے معلومات مجہولات کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں۔

ہم سب سے نزدیک خود ہماری ذات ہے۔ تمام چیزوں کی بہ نسبت سب سے قریب ہماری زندگی ہے لیکن اب تک نہیں پتہ چل سکا کہ انسان کیا ہے اور ہماری حیات کی کیا حقیقت ہے۔؟

کیا زندگی اسی کیمیکل تاثیر و تاثر اور جسمانی خلیوں کے فزیکل افعال کا نام ہے؟ اگر نہیں تو پھر زندگی کی ماہیت کیا ہے؟ بہرحال اس حیات کی کچھ ایسی حقیقت ہے جو اب تک واضح نہیں ہوئی ہے۔ فرانسیسی دانشور ڈاکٹر کیرل (ALEXIS CARREL) نے اپنی کتاب میں ایک مستقل عنوان "لازم است کہ خود را بشناسیم" قائم کر کے لکھا ہے۔

"جو علوم تمام زندہ موجودات کے متعلق عموماً اور انسان کے متعلق خصوصاً بحث کرتے ہیں ابھی زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہیں۔ وہ اس وقت مرحلہ توصیفی میں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک راز اور معمہ ہے جسے آسانی سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی ایسے ذرائع نہیں موجود ہیں جن کی مدد سے انسان کے جزئیات کا پورا مطالعہ کیا جا سکے۔ یہ دیکھا جا سکے کہ بیرونی دنیا کے ساتھ اس کے کیا تعلقات ہیں"

کچھ آگے بڑھ کر پھر ڈاکٹر کیرل رقم طراز ہیں:

"درواقع اپنی ہستی سے ہماری ناواقفیت بہت زیادہ ہے۔ ہماری اندرونی دنیا کے بہت وسیع پہلو ابھی اندھیرے میں ہیں۔ انسانی زندگی کا مطالعہ اور اس کی تحقیق کرنے والے جو سوالات قائم کرتے ہیں ان میں سے اکثر لاجواب رہ جاتے ہیں" (کتاب "انسان موجود ناشناختہ")

ج۔ آیا انسانی علوم اپنے کمال کے آخری نقطے تک پہنچ گئے یا ابھی راستے میں ہیں؟-

اس سوال کا جواب بھی واضح ہے۔ کیونکہ انسانی علوم ہمیشہ تغیر و تبدیل کے عالم میں اور برابر ترقی کرتے رہتے ہیں ہر سال۔ ہر مہینے۔ ہر روز بلکہ ہر گھنٹہ وہ ایک نئی منزل میں قدم رکھتے ہیں۔ روز بروز اور لحظہ بلحظہ انسانی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

د۔ آیا جو باتیں اب تک منکشف ہو چکی ہیں ان کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی جا سکتی تھی؟ کیا یہ باتیں مفروضے کے طور پر بھی تسلیم کرنے کے قابل تھیں؟ مثلاً پانچ سو سال پہلے کئی ٹن کا راکٹ آسمان کی طرف پھینکنا۔ زمین کی قوت جاذبہ کے حدود سے اس کا نکلنا اور چاند کے گرد چکر لگانا۔ پھر رفتہ رفتہ ایسے راکٹ بن جانا جو چاند کی گود میں بیٹھ کر وہاں کے تمام خصوصیات کے فوٹو لے کے زمین کی طرف از خود روانہ کر دیں انسان کے تصور کے قابل تھا؟ آیا ان ننھے ننھے مفید اور مضر جراثیم کی موجودگی۔ اس منظومۂ شمسی کے علاوہ دوسرے منظومات۔ اس ہماری کہکشاں کے علاوہ دوسری کہکشاؤں کی موجودگی سے انسان باخبر تھا؟

یقیناً ان سوالات کا جواب بھی نفی میں سنیے گا۔

ھ۔ کیا مادہ پرست طبقہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ ممکن ہے سو برس کے بعد ایسی باتوں کا پتہ چلے۔ ایسی چیزیں انسان کے علم میں آئیں جن کی بنا پر اُس دور کے انسان کی حالت ہمارے لحاظ سے وہی ہو جو ہماری حالت ہزار سال قبل کے لحاظ سے۔ البتہ ہر معقول آدمی کہے گا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ آج پچاس برس بعد کے متعلق ایسی پیشین گوئیاں کی جاتی ہیں جنھیں سُن کر ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ سو سال یا ہزار سال کے بعد انسان کیا کرے گا؟ اسے خدا ہی جانتا ہے۔

یہاں تک ہم صرف سوالات کرتے رہے ہیں۔ ان کے ذریعہ یہ حقیقت سب کے سامنے آگئی کہ ہمیں حق نہیں کہ جس چیز کو ہم نہ جانیں اور نہ سمجھیں اس کے متعلق کہہ دیں کہ وہ نہیں ہے۔ ہمارے موجودہ ناقص، محدود علوم جس کی وضاحت نہ کر سکیں اُسے ہم بے اثر قرار دے دیں۔ کیا تمام علوم ہمارے ہاتھوں میں دے دیے گئے ہیں؟ کیا کوئی نامعلوم چیز باقی نہیں رہ گئی ہے تاکہ یقین کے ساتھ کسی چیز کے بے فائدہ ہونے کا ہم فیصلہ کر دیں؟ کیا انسان اپنے

ان محدود معلومات کے باوجود ہر چیز کو سمجھ گیا ہے؟ کیا اس بات کا احتمال نہیں ہے کہ اس اعتراض میں ذکر شدہ موجودات کے فوائد اور مقاصد کا مستقبل میں پتہ چل جائے؟

آیا ان چیزوں کا انکشاف اہم ہے یا ایٹمی طاقت کا انکشاف؟ ہماری کہکشاں کے علاوہ دوسری کہکشاؤں کا انکشاف؟ عالم پیار اکٹوں کا انکشاف؟ یہ مسئلہ بالکل ویسا ہی ہے کہ کسی بیابان میں ہمیں ایک شاندار قصر دکھائی دے عمارت کا ہر حصہ۔ ہر چیز نہایت موزوں۔ انتہائی سلیقہ کا نمونہ نظر آئے لیکن عمارت کے کسی گوشے میں ایک کھڑکی یا لکڑی کا ایک ٹکڑا نصب ہو جو بظاہر بے فائدہ، بے مقصد، بے تسمیہ ہو۔

کیا عقل و ضمیر ہمیں اجازت دیتے ہیں کہ ہم اس عظیم عمارت کو نتیجۂ اتفاق قرار دے دیں اور اس کا شاہد اسی بے ربط کھڑکی یا ناموزوں لکڑی کے ٹکڑے کو بنایا جائے؟ کیا ہمیں حق ہے کہ بظاہر اس بے ربط کھڑکی کو واقعاً بے فائدہ کہیں یا ہمارا فرض ہے کہ اس کے فائدے اور مقصد کی کھوج میں لگے رہیں؟ کیا صرف ان دو چیزوں کو دیکھ لینے کی وجہ سے اس قصر کے اردگرد کے راستوں، اس کے باغیچہ کی [illegible] روشوں، وہاں کی باقاعدہ کیاریوں، حسین اور مرتب درختوں۔ عمارت کے بلند اور مستحکم ستونوں، اس کے اصول کے مطابق کمروں اور ان کے دروازوں کی طرف سے [illegible] کرتے ہوئے سب کو خود بخود چلتی ہوئی ہواؤں، تیز موسلا دھار بارشوں، [illegible] آنے والے زلزلوں کی غیر اختیاری کارگزاری مان لیا جائے گا؟ کہاں [illegible] منصف مزاج انسانی ضمیر؟

۴۔ دلچسپ اعتراضات | ہماری گذارش کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے ان محدود معلومات کی ان روز بروز ترقیوں کے ساتھ یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم چیز سے واقف ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بعض چیزوں کے بے فائدہ ہونے کا فیصلہ کر دیں۔ کیا سائنسدان خود

اقرار نہیں کرتے ہیں کہ تمام علوم ابھی کمال کا راستہ طے کر رہے ہیں۔ روز بروز نامعلوم باتوں کے چہرے سے پردہ ہٹ رہا ہے؟

آئن اسٹائن (Einstein) کا کہنا ہے۔

"معمائے خلقت ابھی حل نہیں ہوا ہے، یہاں تک کہ اطمینان نہیں پیدا کیا جا سکتا کہ آخرکار یہ گتھی سلجھ جائے گی، اب تک ہم نے جتنی نیچر کی کتاب پڑھی ہے اس نے ہمیں بہت سی چیزیں سکھائی ہیں، ہم اس کی زبان کے اصول سے آشنا ہو گئے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ ان بہت سی جلدوں کے مقابلے میں جو پڑھی اور سمجھی جا چکی ہیں ابھی مکمل حل اور انکشاف سے ہم بہت دور ہیں۔" (خلاصۂ فلسفۂ آئینسٹین)

کیمیل فلیماریَن (Camille Flamarion) کہتے ہیں۔

"ہم سوچتے ہیں۔ مگر یہی سوچنے کی قوت کیا ہے؟ ہم راستہ چلتے ہیں مگر یہ ہمارے عضلات کا عمل کیا ہے؟ کوئی شخص ان باتوں کو نہیں جانتا۔ میں اپنے ارادے کو ایک غیر مادی طاقت سمجھتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود جب ہاتھ کے اونچا کرنے کا ارادہ کرتا تو دیکھتا ہوں کہ وہ غیر مادی ارادہ میرے ہاتھ کو جو ایک مادی عضو ہے حرکت دیتا ہے، یہ آخر کیونکر ہوتا ہے؟ وہ چیز کہ جس کے واسطے سے اس میری غیر مادی طاقت کا نتیجہ مادی ہوتا ہے کیا ہے؟ کوئی شخص ایسا نہیں ہے گا جو اس کا جواب دے..... اے لوگو! یہ جواب دو لیکن یہ ممکن ہے کہ میں دس برس تک سوال کرتا رہوں اور تم کسی بات کا جواب نہ دے سکو۔" (القوی الطبیعیۃ المجہولۃ)

ولیم جیمز (William James) کے الفاظ ہیں:

"ہمارا علم قطرے کے مانند اور ہماری جہالت سمندر کے مانند ہے، فقط جو بات

تاکیدی طور پر کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری موجودہ مادّی معلومات کی دنیا گھری ہوئی ہے ایک زیادہ وسیع دوسری قسم کے عالم سے جن کے خصوصیات کا اب تک ہم پتہ نہیں چلا سکے ہیں" (نمود ہائی روحی)

فرانس کے طبیہ کالج کے ایک فرانسیسی پروفیسر کا قول ہے:-

"انسان کے موجودہ علوم کا نہایت احترام کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے ساتھ اس امر کا بھی ضرور یقین رکھنا چاہیے کہ موجودہ علوم جتنی بھی زیادہ وسعت حاصل کرلیں پھر بھی نمایاں نقائص ہمیشہ رکھتے ہیں"

اس کے بعد موجودہ علوم کے تاریک نقطوں کی متعدد مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اگر ایک بربری، ایک مصر کے کاشتکار، ایک روس کے دیہاتی سے نیچر کی دنیا کے متعلق اس کے معلومات کے بارے میں سوال کیا جائے تو وہ ان باتوں کا دسواں حصہ بھی نہیں جانتا ہوگا جو ابتدائی کتابوں میں لکھی جاتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ایک دن آئے گا جب ہمارے زمانے کے پڑھے لکھے ان کے مقابلے میں ویسے ہی ہوں گے جیسے دیہاتی لوگ فرانس یونیورسٹی کے پروفیسروں کے سامنے"

اس کے بعد اس بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے کہ ہمارے علوم نیچر کے ظاہری حالات کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہیں۔ نیچر کے راز اور اسباب ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ وہ اس بحث کے آخر میں مندرجہ ذیل جملے لکھتے ہیں:-

"حقیقی سائنسدان وہ ہے جو بیک وقت بہادر اور منکسر مزاج دونوں ہو منکسر مزاج اس لیے کہ ہمارے معلومات بہت تھوڑے ہیں۔ بہادر اس لیے ہو کہ ہمارے سامنے نامعلوم دنیاؤں تک پہنچنے کے واسطے دروازے کھلے ہوئے ہیں" (مقدمہ کتاب نمود ہائی روحی)

۵- کیا ساری کائنات صرف ہمارے لیے ہے؟

تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ہر چیز کا معیار اپنی

ذات کو قرار دے لیا ہے۔ جس شئی کو اپنے لیے مفید نہیں پاتے اسے لغو اور فضول قرار دے دیتے ہیں۔ کیا تمام عالم ہمارے لیے پیدا کیے گئے ہیں؟ یہ منظومات شمسیہ۔ یہ کہکشائیں سب ہمارے واسطے وجود میں آئی ہیں؟ کیا کسی چیز کے مفید ہونے کا دارومدار اس پر ہے کہ اس سے انسان کو فائدہ پہنچے؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ان وسیع کروں اور مستقل دنیاؤں میں وہاں کے ماحول کے مناسب کچھ زندہ موجودات ہوں کہ جن سے ہم ابھی بے خبر ہیں؟ یہ وسیع فضائیں ان کے لیے فائدہ بخش ہوں۔؟

نہایت افسوس کی بات ہے کہ وہ انسان جس کی نسبت ان تمام موجودات سے وہی ہے جو ایک صفر کی نسبت غیر محدود عدد سے ہوتی ہے، وہ انسان کہ جو عالم کے ایک گوشے میں پڑا ہوا ہے اتنا خود خواہ اور مغرور ہو جائے کہ اپنی ذات کو عالم وجود کا مقصد اعلیٰ سمجھنے لگے۔ تمام موجودات کے مفید اور غیر مفید ہونے کا معیار اپنی معمولی سی شخصیت کو قرار دے لے اور مادہ پرست لوگوں کی طرح کہنے لگے کہ چونکہ آسمانوں کی یہ وسیع فضائیں میری جولانگاہ نہیں ہیں اس لیے ان کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اگر ایک چھوٹی سی چڑیا دنیا کے کسی بہت کپڑا تیار کرنے کے کارخانہ کے اوپر سے اڑتی ہوئی گزرے، وہ اپنے دل میں سوچے کہ اس کارخانے کا بنانے والا کتنا بیوقوف تھا آخر اس کارخانے سے مجھے اور میری جیسی دوسری چڑیوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ یہ کپڑے کے لمبے لمبے ہزاروں تھان کس کام کے، ان سے میں کیا فائدہ اٹھا سکتی ہوں؟

کیا چڑیا کے ان خیالات پر آپ نہیں ہنسیے گا؟ کیا اس کی باتیں آپ کی نظر مبارک میں صحیح ہیں؟ اگر ایک چیونٹی فولاد یا لوہے کا عظیم الشان کارخانہ دیکھ کر تعجب کرے، اس کے بنانے والے کا مذاق اڑائے اور کہے کہ یہ تمام بڑی چھوٹی مشینیں بیکار ہیں یہ تمام ساز و سامان فضول ہے کیونکہ اس سے میری کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی اس سے میری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو کیا اس مختصر مادہ پرست مخلوق کے نزدیک اس کی

ہوا میں معقول ہوں گی۔؟

آخر انسان بلا وجہ اپنے کو کیوں اتنا اہم اور باعزت سمجھتا ہے؟ کس بنیاد پر خود کو طفیلی جانتا اور خود کو ہر چیز کے بامقصد یا فائدہ ہونے کا واحد معیار قرار دیتا ہے؟

۹۔ کیا اس ایک پہ سب قربان؟ بالغرض اگر ہم مان لیں کہ دنیا میں بعض چیزیں غیر منظم اور بے مقصد ہیں، ایسے نظر آتے ہیں جن کے وجود کا کوئی نتیجہ نہیں ہے، بلکہ تسلیم کر لیں کہ نہ صرف بعض چیزیں بلکہ پورے عالم پر بدنظمی چھائی ہوئی ہے۔ جدھر بھی نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں نظم وضبط کے بجائے بدنظمی دکھائی دیتی ہے، لیکن اس درہم برہم عالم کے ایک کونے میں، ان تمام بدنظمیوں کے درمیان ایک سبز و شاداب پودا، ایک چھوٹا سا جاندار جسے خوردبین کے ذریعہ بمشکل دیکھا جا سکتا ہے، ایک صحیح و سالم آنکھ، ایک دھڑکتا ہوا دل، ایک سنتا ہوا کان ہو۔

ہم حساب احتمالات (Probability) اور ضمیر انسانی کے فیصلے کے ذریعہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہی ایک عدد منظم اور مرتب چیز اتفاقی طور پر وجود میں نہیں آئی ہے بلکہ اسے کسی باشعور طاقت نے اپنے ارادے اور اختیار سے پیدا کیا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مرتب اور منظم چیز کی بابت یہ دعویٰ کرے کہ اس کا نظم وضبط اتفاقی طور پر ہے تو اس کا غلط ہونا حساب احتمالات کی مدد سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

یہ اس وقت عرض کیا جائے گا جب کہ عالم کی اکثر چیزوں میں بدنظمی دکھائی دے۔ صرف اکا دکا چیزیں منظم، مرتب، باقاعدہ، بافائدہ اور نتیجہ خیز دکھائی دیں لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے، یہ عالم سر سے پیر تک منظم ہے۔ جہاں کہیں ہم نظر ڈالیں چھوٹے سے چھوٹے ذروں سے لے کر بڑے سے بڑے آسمانی کروں تک ہر چیز حیرت انگیز نظم وضبط کی مالک معلوم ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر بعض ساختیں ہمارے ذہن کے خیال کے مطابق عالم کے کسی گوشہ میں نظر آئے تو کیا اس کے مقابلے تمام چیزوں میں جو نظم

ترتیب جس میں بھیجی ہے اس سے آنکھیں بند کر لی جائیں گی۔؟ ان سب کو اس ایک پر قربان کر دیا جائے گا؟ فرض کیجیے کہ آپ کے سامنے ایک کتاب آئی، آپ نے دیکھا کہ وہ نہایت گہرے و حسن خیز مطالب پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ ہی کے ایک مقام پر کچھ جملے دکھائی دیے جن کا آپ کی نظر میں کوئی مفہوم نہیں ہے۔ انصاف سے فرمائیے کہ اس کتاب کے متعلق آپ کیا فیصلہ کریں گے۔؟

آیا آپ ان تمام گہرے مطالب سے چشم پوشی کرتے ہوئے جو ایک او نچے دماغ اور وسیع معلومات کا پتہ دے رہے ہیں اس کتاب کے لکھنے والے کو نا فہم۔ جاہل قرار دے دیجیے گا جس نے بلا کسی مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے قلم ہاتھوں میں لے کر کاغذ پر لکیریں بنانا شروع کر دی ہیں؟ کم از کم یہی فیصلہ جو آپ اس کتاب کے بارے میں کیا اس عالم وجود اور اس کے موجودات کی بابت بھی براہ مہربانی فرمائیے۔

۷۔ بے نظمی کے ذریعہ نظم و ضبط کا تعارف آخری بات اس اعتراض کے سلسلے میں یہ ہے کہ عام طور سے ہم ہر چیز کے وجود کو اس کے عدم سے سمجھتے ہیں، جب تک کوئی چیز معدوم نہ ہو جائے اس کے وجود کی طرف مکمل طور سے انسانی ذہن متوجہ نہیں ہوتا ہے، یعنی کسی چیز کے وجود کی جانب توجہ اور اس کا علم اس کے یا اس کے مانند اشیاء کی نیستی کے ذریعہ ہوتا ہے، اگر اس طرح کے موازنے کا موقع نہ ملے تو وجود کا جاننا دشوار بلکہ بعض اوقات غیر ممکن ہو جائے گا۔ اگر ہمیشہ دن رہے، کبھی رات نہ ہو تو حقیقت نور کا تصور مشکل کام ہوگا، اگر تمام افراد انسانی ہمیشہ صحیح و سالم رہیں، کبھی کوئی بیمار نہ پڑے تو ہمارے نزدیک تندرستی کا کوئی مفہوم نہیں ہوگا، اگر ہماری زمین ہمیشہ ساکن رہتی تو اس کے سکون کو ہم محسوس نہیں کر سکتے تھے، یہ تمام حقیقتیں اندھیرے، بیماری، زلزلے کے ذریعہ نمایاں ہوئیں، ایک سفید کپڑے یا کاغذ پر سیاہ نقطہ اس غرض سے بنا دیا جاتا ہے کہ کپڑے یا کاغذ کی غیر معمولی سفیدی آنکھوں کو محسوس ہو۔

اچھا ہم نے مان لیا کہ جو چیزیں ہمیں بے فائدہ نظر آتی ہیں وہ واقعاً بے فائدہ ہیں۔

یہ بدنظمی جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں حقیقتاً نظم ہے۔ کیا اس صورت میں یہی فائدہ کافی نہیں ہے کہ ہم اس بدنظمی سے نظم کی موجودگی کا پتہ چلائیں؟ اس سے بڑا کونسا فائدہ ہو سکتا ہے کہ نظم عالم کے نمایاں کرنے کے لیے عالم کے کسی گوشے میں کوئی ایسی چیز رکھدی جائے جو بظاہر بے فائدہ اور بے مقصد ہو، ان غیر منظم یا غیر مفید موجودات کو دیکھ کر نظم اور فائدے کا مفہوم سمجھ میں آئے۔ انھیں دیکھ کر ہمیں یہ سوچنے کا موقع ملے کہ اگر تمام موجودات بے فائدہ ہوتے، تمام جانداروں کی آنکھیں بے نور ہوتیں، انسان کا جسم از سرتاپا ایک بے فائدہ عضو ہوتا تو واقعاً پھر کیا ہوتا؟ اور اب جبکہ ایسا نہیں ہے تو کیا ہے؟ اگر دنیا میں اندھی آنکھ یا کوئی غیر مفید جزء جسم نظر نہ آتا تو کیا اس نظم عالم کی حقیقت مکمل طور سے نمایاں ہوتی اور ہم صحیح طریقے سے اس حقیقت کو سمجھ سکتے تھے؟

ان اکا دکا بدنظمیوں سے اس عظیم حقیقت کا ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس عالم میں کوئی ہستی موجود ہے جس نے اس نظام کو قائم کیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ یہ نظم خود بخود تمام عالم میں حکم فرما ہو گیا ہو بلکہ ایک غیر معمولی طاقت نے اپنے علم و ارادے سے اس عالم کو نظم و فائدے کے زیور سے آراستہ کیا ہے، اس نے ہر چیز کو مفید اور با مقصد قرار دیا ہے وہ جب چاہے اُسے بے فائدہ اور بے مقصد بنا دے۔

بعض مادّیین کہتے ہیں کہ عالم کو تو ہرا منظم ہونا چاہیے، نظم و ضبط عالم کے لیے ضروری اور اس کی لازمی خاصیت ہے۔

ہماری عرض کی ہوئی باتوں سے پتہ چلا کہ یہ بات ایسے لوگوں نے کہی ہے جو بدنظمی کا تصور نہیں کر سکے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے نظم و ضبط کو عالم وجود کی لازمی خاصیت قرار دیا ہے۔ لیکن بظاہر غیر منظم موجودات کا مشاہدہ انھیں بتا دے گا کہ نظم عالم وجود کا لازمہ نہیں ہے، وہ ایک قدرت اور ارادے کی پیداوار ہے جس نے پورے اختیار کے ساتھ اسے ایجاد کیا ہے۔

پیشوایان اسلام کے ارشادات میں بھی اس مطلب کی طرف اشارہ موجود ہے، بعض اوقات نومولود بچوں کے جسموں میں بعض اعضاء زائد یا کم ہوتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ نے اس کا راز بیان کرتے ہوئے وہی بات فرمائی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو توحید مفضل)

ایک اعتراض:

یہاں صرف ایک شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ بدنظمی موجودات کی صرف ایک قسم میں نظر آتی ہے۔ مثلاً تمام مردوں کے سینہ پر ایک دوسرے سے مشابہ نشانات ہوتے ہیں۔

جواب:

گزشتہ باتیں نظر میں رکھتے ہوئے یہ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ یہ بدنظمی ایک خاص مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وجود میں آئی ہے۔ اس بدنظمی میں مکمل طور سے نظم و ضبط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس بدنظمی کو خاص مقامات پر مخصوص موجودات میں ہونا چاہیے تاکہ اس سے وہ نتیجہ اور مقصد حاصل ہو جسے اس کے وجود میں پیش نظر رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اس بدنظمی کا سرچشمہ درحقیقت وہی نظم ہے اور یہ اسی کا پتہ دیتی ہے۔

یہ ویسا ہی ہے کہ کسی کاپی اور رجسٹر کے کاغذ کی انتہائی سفیدی اور عمدگی کو بتانے کے بجائے اس کے ہر صفحے کے اوپر ایک خوبصورت سا نقطہ بنا دیا جائے، چونکہ ایسے ہر نقطے کو ایک معین جگہ پر منظم طور سے بنایا گیا ہے لہٰذا وہ نقطے بتا رہے ہیں کہ انہیں بلا وجہ یہاں نہیں بنایا گیا ہے۔ اس کے برخلاف اگر یہ نقطے غیر منظم ہوں، ہر صفحے پر ایک جگہ، ہر نقطے کی صورت دوسرے نقطے سے مختلف ہو تو کیا یہ گمان نہ ہوگا کہ وہ اتفاقاً بلا کسی مقصد ملحوظ رکھتے ہوئے ان صفحات پر بن گئے ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ بدنظمی اس وقت نظم و ضبط کی طرف راہنمائی کر سکتی ہے جبکہ منظم ہو۔

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تمام گفتگو اس فرض کی صورت میں ہے کہ جن چیزوں کو ہم غیر منظم

بکھرے ہیں وہ واقعتاً غیر منظم ہوں۔ لیکن ہمارے گزشتہ اور آئندہ بیانات سے یہ حقیقت واضح ہوئی اور واضح تر ہو گی کہ ہمیں کسی طرح اس کا حق نہیں ہے کہ ہم اس طرح کی چیزوں کو اس عالم وجود میں بدنظمی کی مثال قرار دیں۔

ان تباہ کاریوں کا کیا جواب ہے؟ پرانے زمانے سے خدا کے بعض ماننے والوں کو ایک چیز نے متزلزل بنا رکھا ہے۔ مادہ پرستوں نے بھی اسے اپنا ایک مؤثر اور کارگر حربہ اپنے الحادی پروپیگنڈے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ وہ زمین اور آسمان کی آفتوں اور بلاؤں کا مسئلہ ہے۔

یہ اعتراض نیا نہیں ہے قدیم زمانے سے بحث اور گفتگو کا مرکز ہے بعض گزشتہ فلاسفہ کے اقوال میں بھی ملتا ہے، وہ کہتے ہیں:

"اگر عالم کا ایک علیم و حکیم خالق ہے، اگر دنیا کی ہر چیز میں اسرار اور حکمتیں موجود ہیں تو کیوں کبھی کبھی ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جو علم و حکمت کے بالکل خلاف ہیں، جن کا نتیجہ مفاسد اور نقصانات کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جیسے زلزلے، گوناگوں بلائیں، طرح طرح کی آفتیں، مختلف قسم کی متعدد بیماریاں ان کی وجہ سے یہی ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کی جانیں تلف ہو جاتی ہیں، کبھی ایک زلزلہ بڑے بڑے شہروں کو زیر و زبر کر دیتا ہے، ایک وبائی مرض سینکڑوں آدمیوں کی جان لے لیتا ہے، پہاڑ کے دامن سے سیلاب سر اٹھاتا ہے اور نہ جانے کتنی آبادیوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ آندھی کے جھکڑ چلتے ہیں اور ناقابل تلافی نقصانات کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اگر عالم ہستی کا انتظام ایک علیم و حکیم [illegible] کے ہاتھوں میں ہے تو اس عالم کی صورت کو موجودہ شکل سے بہتر ہونا چاہیے تھا [illegible] بلائیں آتیں، نہ خونریزیاں ہوتیں، نہ طرح طرح کی بیماریاں [illegible] ناکامی، اس دنیا کو ہر نقص اور ضرر سے پاک ہونا چاہیے تھا۔"

اس کے اور گزشتہ اعتراض کے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، دونوں کا سرچشمہ

[illegible] - اس بنا پر جو حوادثات گزر چکے ہیں وہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ [illegible] ہیں گے۔ اس کے ساتھ مناسب ہے کہ اس بارے میں کچھ زیادہ وضاحت کر دی جائے کیونکہ یہاں پر لوگوں کے پیر بڑی شدت سے پھسلتے ہیں۔

فرض کیجئے کہ طوفان آیا، اس نے بہت سے لوگوں کی زندگی کو عدم کے سپرد کر دیا، ہمیں اس کی وجہ سے سوائے ضرر اور نقصان کے کچھ نظر نہ آیا، لیکن کیا یہ مناسب ہے کہ جس عالم کے ایک انتہائی چھوٹے سے ذرّے میں اپنے محدود اور سطحی معلومات کے ساتھ ہمیں بہت سے حیرت انگیز اسرار و رموز نظر آئے ہوں ہم بآسانی اس طوفان کے متعلق فیصلہ کر دیں؟۔

ذرا غور فرمایئے کہ آپ کس دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں؟ ہم اس دنیا میں رہتے ہیں جہاں تمام جانداروں کے جسم کی ایک بافت (خلیہ) جس کی لمبائی فقط ۱/۱۰۰ ملی میٹر ہے ۲۲ دھاتوں سے مل کر بنی ہے جن کا باہمی تناسب اور توازن حیرت انگیز ہے، یہ ایک ننھی سی زندہ بافت قوت جاذبہ اور قوت دافعہ دونوں کی مالک ہے، اس کے پاس ہضم کرنے اور غذا کو جزو بدن بنانے کا پورا ساز و سامان بھی موجود ہے، وہ اتنے بڑے لحیم شحیم آدمی سے بہت جلدی اپنا مانند بھی پیدا کر سکتی ہے، ہم اس عالم میں سانس لیتے ہیں جس کے ہر ہر شے میں ایک ہمہ گیر نظام کے انوکھے نمونے سامنے آتے ہیں، ایسے عظیم الشان عالم میں کیا یہ ٹھیک ہے کہ ہم ایک سرسری نگاہ کر کے وہاں کے حادثوں کی اصلی وجہ سے بے خبری کے باوجود انھیں سرے سے مضر قرار دے دیں؟ کیا ہمیں کچھ بھی پتہ ہے کہ اس طوفانی ہوا نے اس وقت سے جب یہ ہلکی پھلکی نسیم سحری کی صورت میں کسی دور دراز مقام سے چلی تھی، اب تک اپنے دوران [illegible] کیا خدمات انجام دیئے ہیں؟ کیا کوئی جانتا ہے کہ وہ اپنے جانے [illegible] کیا اثرات چھوڑ جائے گی جو زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے مربوط ہے؟ خلاصہ یہ کہ ماضی اور مستقبل میں پوری دنیا کے اسباب اور نتائج کے مکمل سلسلے کی کیا ہمیں خبر ہے تاکہ ان کے فائدے اور نقصان کی بابت ہم فیصلہ کر سکیں؟ کیا تمام

جھولا جھلانے سے بے نقاب ہو گئے ہیں؟ کسی چیز کے چہرے پر جہالت کا پردہ نہیں رہ گیا ہے کہ ہم اپنے کو اس فیصلے کا حقدار کہیں؟ آیا انسانی علم و تحقیق بلا ارتقاء اور تکامل کا راستہ نہیں طے کر رہا ہے؟ کیا ان حادثوں کے قابل توجہ فوائد کسی دن منکشف نہیں ہو سکتے؟

بہت سی باتیں سطحی نگاہ میں ظلم اور بے رحمی معلوم ہوتی تھیں، ان کے کسی فائدے کا تصور تک نہیں تھا، لیکن آج جدید علوم کے ماہرین نے علمی اور سائنسی عینک کی مدد سے ان کے عجیب و غریب اسرار کا انکشاف کیا ہے۔

نومولود بچہ کیوں روتا ہے۔؟

عام طور سے بچہ پیدا ہونے کے بعد بہت روتا ہے، ماں باپ کو اس کے رونے سے تکلیف اور ہر شخص کے جذبات ہمدردی اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ بظاہر اس رونے کا نتیجہ سوائے بچے کے ہلکان ہونے اور ماں باپ کی پریشانی کے کچھ نہیں ہے لیکن شاید لوگوں کو یہ معلوم ہو کر تعجب ہو کہ طویل تحقیقات کے بعد یہ پتہ چلا کہ اگر بچہ نہ روئے تو شاید وہ زندہ نہ رہ سکے، کیونکہ نومولود بچے بلکہ ہر شخص کے جسم کو اپنی زندگی باقی رکھنے کے لیے حرکت اور ورزش کی بڑی ضرورت ہے، اگر حرکت نہ کرے تو اس کے تمام اعضاء بدن کے از کار رفتہ ہو جانے یا کم از کم نشوونما کے ٹھہر جانے کا اندیشہ ہے، چونکہ بچپنے میں آدمی کو ورزش کی زیادہ ضرورت ہے اسی لیے بچے کی فطرت میں کھیلنے کودنے اور دوڑنے کا جذبہ [illegible]

[illegible] لیے اسے ایک قسم کی غیر اختیاری حرکت [illegible] بچہ کر رونے کی حالت [illegible] اس کے اور [illegible] ہے جس کا اثر [illegible] ہے [illegible]

...سنبھالتے ہیں، ان سب کا مجموعہ بچے کے لیے ایک ورزش کے مثل ہے۔

دوسری طرف نومولود بچے کے دماغ میں رطوبتیں زیادہ ہیں، ان کے باہر آنے کا ذریعہ سوائے گریے کے دوسرا نہیں ہے، اگر وہ رطوبتیں باہر نہ نکلیں تو خطرناک نتائج پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ آنکھیں کمزور یا نابینا ہوسکتی ہیں اور دوسری بیماریوں میں بچہ مبتلا ہو سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آنسوؤں کے غدود براہِ راست اپنے مادے کو خون سے اخذ کرتے ہیں، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ پانی کا کسی ایک حصۂ بدن میں کم ہونا اس کے دوسرے حصوں پر اثر ڈالتا ہے جن میں سے ایک دماغ بھی ہے۔

دنیائے اسلام کی عظیم المرتبت شخصیت حضرت امام جعفر صادقؑ نے سینکڑوں برس پہلے بعینہٖ یہی بات مفضّل سے فرمائی تھی۔

"اے مفضّل! یہ بات جانو کہ بچوں کے رونے کے بہت سے فائدے ہیں، ان کے دماغ میں ایسی رطوبتیں موجود ہوتی ہیں جو اگر اپنی حالت پر باقی رہیں تو بہت سے امراض جیسے نابینائی وغیرہ پیدا کرسکتی ہیں، گریہ ان رطوبتوں کو بچوں کے دماغ سے خارج کر دیتا ہے، اس طرح بچوں کی جسمانی صحت وسلامتی محفوظ رہتی ہے، اکثر بچوں کے ماں باپ ان کے رونے سے متاثر ہو کر انھیں خاموش کرتے ہیں حالانکہ انھیں یہ خبر نہیں کہ رونا بچوں کے لیے بہتر ہے۔"

نومولود بچوں کے گریے کی مثال دینے کا مقصد یہ تھا کہ ایسی سینکڑوں چیزیں ہیں جو پہلے ہمیں معلوم نہیں تھیں، تدریجاً ان کے چہرے سے جہالت کا پردہ ہٹا۔ اس کے بعد کیا ہمارا [illegible] اجازت دیتا ہے کہ ہم دنیا میں پیش آنے والے حادثوں کے متعلق نہایت آسانی [illegible] فائدہ یا نقصان رساں ہیں، یہ فیصلہ اس صورت میں صحیح ہے [illegible] گزشتہ اور آئندہ اثرات پر حاوی ہوں، یہ جانتے [illegible]

ہم کس طرح اور کیوں گزشتہ اور آئندہ کے بارے میں، دنیا کے اجمالی پیچیدہ مسائل کی بابت اظہار خیال کرتے ہیں جبکہ ہم اس دنیا کے چھوٹے چھوٹے موجودات کے اسرار زندگی سے مکمل طور پر واقف نہیں ہیں؟ جبکہ ہمارے معلومات مجہولات کے مقابلے میں صفر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہاں پھر انسانی علوم کے محدود ہونے کے متعلق جدید علوم کے بعض ماہرین کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں تاکہ سادہ لوح افراد اس طرح کے اعتراضات سے متاثر نہ ہوں۔

"ولیم کریڈکس"، انگلینڈ کے بڑے سائنسدانوں میں سے تھے، ایٹم کے متعلق انھوں نے تحقیقات بھی کیے ہیں، وہ کہتے ہیں:

"تمام ان صفات کے درمیان جنھوں نے مطالعات روحی میں میری مدد کی ... بہت سے اسرار و رموز کو میرے لیے آسان کر دیا جن کی مجھ سے امید نہیں کی جاتی ... مؤثر یہ صفت ہے کہ میں اپنی جہالت کا مکمل اور راسخ عقیدہ رکھتا ہوں" (... علی اطلال المذہب المادی ص ۱۳۶)

انگلستان کے سائنسدانوں میں سے ایک دوسرے صاحب کا قول ہے:

"جو ہم جانتے ہیں اس کے مقابلے میں جو ہم نہیں جانتے ہیچ ہے بعض لوگ ... بات دل کی گہرائیوں سے نہیں کہتے ہیں۔ لیکن میں اس کا اظہار مکمل اعتقاد کے ساتھ کر رہا ہوں" (علی اطلال المذہب المادی ص ۱۳۷)

ممتاز فرانسیسی فلسفی اور اہل قلم "مورس میٹر لینگ" کے الفاظ ہیں:

"اگر ہمیں یہ خیال ہے کہ ایٹم کے بھید ہمیں معلوم ہیں تو ابھی ذرّات برق اور الیکٹران کے اسرار ہم نہیں جانتے ہیں، ہمیں نہیں پتہ کہ بجلی کا ایک ذرّہ اور الیکٹران کس چیز سے بنایا گیا ہے اور اس کے کیا اجزاء ہیں جن سے وہ مرکب ہے؟ کیونکہ الیکٹران اتنا چھوٹا، اس طرح بھاگتا اور یوں تیزی سے اِدھر اُدھر تتر بتر ہوتا ہے کہ ہم اب تک اسے ایک ...

گرفتار نہیں کر سکے ہیں۔ وہ ہمارے معائنہ اور ہماری تحقیق کا مرکز نہیں بن سکا ہے اسکو
ہم نہیں جانتے کہ ایک ذرۂ نور جسے لاطینی زبان میں (فوتون) کہتے ہیں کاہے سے
بنایا گیا ہے اور اس کے اجزاء ترکیبیہ کیا ہیں؟ چونکہ اب تک ہم کامیاب نہیں ہوئے ہیں
سے تنہا گرفتار کرکے اپنے تحقیقات اور معائنے کا مرکز بنائیں، ہم ابھی اس سے
ہیں کہ آواز کی لہروں کے ایک چھوٹے سے ذرے کو تنہا مرکز تحقیق قرار دیں"!
کیا یہی انصاف ہے؟

بالفرض ان آفات ارضیہ وسماویہ کے اسرار اور فوائد ہم نہ معلوم کر سکیں تو یہ
سکتا ہے کہ ہم دنیا کے ان تمام عجیب وغریب رموز سے آنکھیں بند کرلیں جن کا
چکا ہے کیونکہ اس طرح کی کچھ باتوں سے ہماری ناواقفیت کا ہرگز یہ تقاضہ
اپنے دوسرے معلومات کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔

نفیس سینری آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، اس میں فطرت کا ایک
دکھایا گیا ہے، ایک طرف گھنے درخت ہیں، دوسری طرف کیاریوں میں
پودوں کی نازک شاخوں پر دلکش غنچے اور پھول ہیں۔ پہاڑوں کی ایک قطار ہے
برف سے ڈھکی ہوئی ہیں، پہاڑوں کے دامن میں صاف وشفاف
چشمے جاری ہیں۔ سینری کے یہ مناظر آرٹسٹ کی مہارت، اس کے ذوق
رہے ہیں۔ اسی کے ایک گوشے میں کچھ کاواک لکیریں، کچھ بے معنے
دکھائی دیتے ہیں، اس مقام پر کیا عقل اور ضمیر اجازت دیتے ہیں کہ ان چند
کی وجہ سے ان تمام خوشنما، دلکش، خوبصورت مناظر سے آنکھیں
ایک زبردست، ماہر آرٹسٹ کی گردش قلم کا نتیجہ ہونے کا پتہ دے رہے
پوری سینری کو اتفاقی یا ایسے شخص کا نتیجۂ قلم قرار دے دیا جائے جو آرٹ سے
ہو اور جس نے اس کام میں کسی مقصد اور غرض کو پیش نظر نہ رکھا ہو؟

جو لاعلمی کے سبب بے نقاب ہو گئے ہیں؟ کسی چیز کے چہرے پر جہالت کا پردہ نہیں رہ گیا ہے کہ ہم اپنے کو اس فیصلے کا حقدار سمجھیں؟ آیا انسانی علم و تحقیق برابر ترقی اور کمال کا راستہ نہیں طے کر رہا ہے؟ کیا ان حادثوں کے قابل توجہ فوائد کسی دن منکشف نہیں ہو سکتے؟

بہت سی باتیں سطحی نگاہ میں ظلم اور بے رحمی معلوم ہوتی تھیں، ان کے کسی فائدے کا تصور تک نہیں تھا، لیکن آج جدید علوم کے ماہرین نے علمی اور سائنسی عینک کی مدد سے ان کے عجیب و غریب اسرار کا انکشاف کیا ہے۔

نومولود بچہ کیوں روتا ہے؟

عام طور سے بچہ پیدا ہونے کے بعد بہت روتا ہے، ماں باپ کو اس کے رونے سے تکلیف اور ہر شخص کے جذبات ہمدردی اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ بظاہر اس رونے کا نتیجہ سوائے بچے کے ہلکان ہونے اور ماں باپ کی پریشانی کے کچھ نہیں ہے لیکن شاید لوگوں کو یہ معلوم ہو کر تعجب ہو کہ طویل تحقیقات کے بعد یہ پتہ چلا کہ اگر بچہ نہ روئے تو شاید وہ زندہ نہ رہ سکے، کیونکہ نومولود بچے بلکہ ہر شخص کے جسم کو اپنی زندگی باقی رکھنے کے لیے حرکت اور ورزش کی بڑی ضرورت ہے، اگر حرکت نہ کرے تو اس کے تمام اعضاء بدن کے از کار رفتہ ہو جانے یا کم از کم نشو و نما کے ٹھہر جانے کا اندیشہ ہے، چونکہ بچپنے میں آدمی کو ورزش کی زیادہ ضرورت ہے اسی لیے بچے کی فطرت میں کھیلنے کودنے اور دوڑنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

نومولود بچہ چونکہ ورزش پر قادر نہیں ہے اس لیے اسے ایک قسم کی غیر اختیاری حرکت کی ضرورت ہے اس کا رونا اسی ضرورت کو پورا کرتا ہے، چونکہ رونے کی حالت میں بچے کے بدن کا ہر حصہ کام کرتا ہے، دل کی دھڑکن زیادہ شدید، گردش خون، پھیپھڑوں کی حرکت اور سانس کی آمد و شد زیادہ تیز ہو جاتی ہے، [illegible] اس کی رگیں خون سے بھر جاتی ہیں، اس کے چہرے [illegible] کی مچھلیاں اور ان کے پٹھے

نمایاں ہیں، ان سب کا مجموعہ بچّے کے لیے ایک ورزش کے مثل ہے۔

دوسری طرف نومولود بچے کے دماغ میں رطوبتیں زیادہ ہیں، ان کے باہر آنے کا ذریعہ سوائے گریے کے دوسرا نہیں ہے، اگر وہ رطوبتیں باہر نہ نکلیں تو خطرناک نتائج پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ آنکھیں کمزور یا نابینا ہو سکتی ہیں اور دوسری بیماریوں میں بچّہ مبتلا ہو سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آنسوؤں کے غدود براہ راست اپنے مادے کو خون سے اخذ کرتے ہیں، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ پانی کا کسی ایک حصّہٴ بدن میں کم ہونا اس کے دوسرے حصوں پر اثر ڈالتا ہے جن میں سے ایک دماغ بھی ہے۔

دنیائے اسلام کی عظیم المرتبت شخصیت حضرت امام جعفر صادقؑ نے سینکڑوں برس پہلے بعینہٖ یہی بات مفضّل سے فرمائی تھی۔

"اے مفضّل! یہ بات جانو کہ بچوں کے رونے کے بہت سے فائدے ہیں، ان کے دماغ میں ایسی رطوبتیں موجود ہوتی ہیں جو اگر اپنی حالت پر باقی رہیں تو بہت سے امراض جیسے نابینائی وغیرہ پیدا کر سکتی ہیں، گریہ ان رطوبتوں کو بچّوں کے دماغ سے خارج کر دیتا ہے، اس طرح بچوں کی جسمانی صحت وسلامتی محفوظ رہتی ہے، اکثر بچّوں کے ماں باپ ان کے رونے سے متاثر ہو کر انھیں خاموش کرتے ہیں حالانکہ انھیں یہ خبر نہیں کہ رونا بچوں کے لیے بہتر ہے۔"

نومولود بچّوں کے گریے کی مثال دینے کا مقصد یہ تھا کہ ایسی سینکڑوں چیزیں ہیں جو پہلے ہمیں معلوم نہیں تھیں، تدریجاً ان کے چہرے سے جہالت کا پردہ ہٹا، اس کے بعد کیا ہمارا ضمیر ہمیں اجازت دیتا ہے کہ ہم دنیا میں پیش آنے والے حادثوں کے متعلق نہایت آسانی سے فیصلہ کر دیں اور کہہ دیں کہ وہ بے فائدہ یا نقصان رساں ہیں؟ یہ فیصلہ اس صورت میں صحیح ہے جبکہ ہم تمام چیزوں کے اسرار اور ان کے گزشتہ اور آئندہ اثرات پر حاوی ہوں، یہ جانتے ہوں کہ اس حادثے میں سوائے ضرر کے کوئی دوسرا پہلو نہیں ہے۔

ہم کس طرح اور کیوں کر گذشتہ اور آئندہ کے بارے میں، دنیا کے انتہائی پیچیدہ مسائل کی بابت اظہار خیال کرتے ہیں جبکہ ہم اس دنیا کے چھوٹے چھوٹے موجودات کے اسرار زندگی سے مکمل طور پر واقف نہیں ہیں؟ جبکہ ہمارے معلومات مجہولات کے مقابلے میں صفر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہاں پھر انسانی علوم کے محدود ہونے کے متعلق جدید علوم کے بعض ماہرین کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں تاکہ سادہ لوح افراد اس طرح کے اعتراضات سے متاثر نہ ہوں۔

"ولیم کریڈکس"، انگلینڈ کے بڑے سائنسدانوں میں سے تھے، ایٹم کے متعلق انھوں نے تحقیقات بھی کیے ہیں، وہ کہتے ہیں:

"تمام ان صفات کے درمیان جنھوں نے مطالعات روحی میں میری مدد کی اور بہت سے اسرار ورموز کو میرے لیے آسان کر دیا جن کی مجھ سے امید نہیں کی جاتی تھی سب سے مؤثر یہ صفت ہے کہ میں اپنی جہالت کا مکمل اور راسخ عقیدہ رکھتا ہوں۔" (کتاب علی اطلال المذہب المادی ص ۱۳۶)

انگلستان کے سائنسدانوں میں سے ایک دوسرے صاحب کا قول ہے:

"جو ہم جانتے ہیں اس کے مقابلے میں جو ہم نہیں جانتے ہیچ ہے۔ بعض لوگ یہ بات دل کی گہرائیوں سے نہیں کہتے ہیں۔ لیکن میں اس کا اظہار مکمل اعتقاد کے ساتھ کر رہا ہوں۔" (علی اطلال المذہب المادی ص ۱۳۷)

ممتاز فرانسیسی فلسفی اور اہل قلم "مورس میٹر لینگ" کے الفاظ ہیں:

"اگر ہمیں یہ خیال ہے کہ ایٹم کے بھید ہمیں معلوم ہیں تو ابھی ذرّات برق اور الیکٹران کے اسرار ہم نہیں جانتے ہیں، ہمیں نہیں پتہ کہ بجلی کا ایک ذرّہ اور الیکٹران کس چیز سے بنایا گیا ہے اور اس کے کیا اجزاء ہیں جن سے وہ مرکب ہے؟ کیونکہ الیکٹران اتنا چھوٹا، اس طرح بھاگتا اور یوں تیزی سے ادھر اُدھر تتر بتر ہوتا ہے کہ ہم اب تک اسے اکیلا

گرفتار نہیں کر سکے ہیں۔ وہ ہمارے معائنہ اور ہماری تحقیق کا مرکز نہیں بن سکا ہے اسی طرح ہم نہیں جانتے کہ ایک ذرۂ نور جسے لاطینی زبان میں (فوتون) کہتے ہیں کاہے سے بنا گیا ہے اور اس کے اجزائے ترکیبیہ کیا ہیں؟ چونکہ اب تک ہم کامیاب نہیں ہوئے ہیں کہ اسے تنہا گرفتار کر کے اپنے تحقیقات اور معائنے کا مرکز بنائیں، ہم ابھی اس سے بھی عاجز ہیں کہ آواز کی لہروں کے ایک چھوٹے سے دھبے کو تنہا مرکز تحقیق قرار دیں! کیا یہی انصاف ہے؟

اگر بالفرض ان آفات ارضیہ وسماویہ کے اسرار اور فوائد ہم نہ معلوم کر سکیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دنیا کے ان تمام عجیب وغریب رموز سے آنکھیں بند کر لیں جن کا پتہ چل چکا ہے، کیونکہ اس طرح کی کچھ باتوں سے ہماری ناواقفیت کا ہرگز یہ تقاضہ نہیں ہے کہ اپنے دوسرے معلومات کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔

فرض کیجیے کہ ایک نفیس سینری آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، اس میں فطرت کا ایک دلربا اور خوشنما منظر دکھایا گیا ہے، ایک طرف گھنے درخت ہیں، دوسری طرف کیاریوں میں خوبصورت پودوں کی نازک شاخوں پر دلکش غنچے اور پھول ہیں۔ پہاڑوں کی ایک قطار ہے جن کی چوٹیاں قدرتی برف سے ڈھکی ہوئی ہیں، پہاڑوں کے دامن میں صاف وشفاف موتی جیسے پانی کے چشمے جاری ہیں۔ سینری کے یہ مناظر آرٹسٹ کی مہارت، اس کے ذوق اور سلیقے کا پتہ دے رہے ہیں۔ اسی کے ایک گوشے میں کچھ کاواک لکیریں، کچھ بے معنے مبہم نقطے دکھائی دیتے ہیں، اس مقام پر کیا عقل اور ضمیر اجازت دیتے ہیں کہ ان چند لکیروں اور نقطوں کی وجہ سے ان تمام خوشنما، دلکش، خوبصورت مناظر سے آنکھیں بند کر کے جو ایک زبردست، ماہر آرٹسٹ کی گردش قلم کا نتیجہ ہونے کا پتہ دے رہے ہیں اس پوری سینری کو اتفاقی یا ایسے شخص کا نتیجۂ قلم قرار دے دیا جائے جو آرٹ سے بالکل بے بہرہ ہو اور جس نے اس کام میں کسی مقصد اور غرض کو پیشِ نظر نہ رکھا ہو؟

اس دنیا میں ایسی پراسرار چیزیں بہت دکھائی دیتی ہیں جن میں سے ہر ایک خدا کا وجود ثابت کرنے کے لیے ایک مستقل، تشفی بخش دلیل ہے۔

آیا چیونٹی کی حیرت انگیز زندگی کا جائزہ، اس کے علاوہ مختلف جانوروں کی ذاتی خصلتیں اور عادتیں، ان کے رہنے سہنے کے طریقے دیکھنے کے بعد بھی ان کے پیدا کرنے والے کے علم و قدرت میں کوئی شک رہ جاتا ہے؟ آیا رموز کائنات کا ایک گوشہ نہ جاننے کی وجہ سے سب چیزوں کو پس پشت ڈال دیا جائے گا؟ آیا اس عظیم دنیا کی قیمت ایک سینٹری کے برابر بھی نہیں ہے؟

کیا برا ہے کہ یہاں اس پراسرار دنیا کے عجائب کا ایک چھوٹا سا نمونہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے پیش کر دیا جائے۔

وہ ماں جس نے کبھی اپنے بچہ کی صورت نہیں دیکھی!

ایک فرانسیسی دانشور نے ایک پرندے کے حالات زندگی کے متعلق ریسرچ شروع کی، پرندے کا نام فرانسیسی زبان میں اکسپکلوپ ہے، اس کا حال خود ان صاحب کی زبانی سنیے:

"میں نے اس پرندے کے حالات کا جائزہ لیا ہے، اس کے مخصوص حالات میں سے یہ ہے کہ وہ انڈے دے کر مر جاتا ہے، ہرگز ماں اپنے بچوں کی صورت اور بچے اپنی ماں کی صورت نہیں دیکھتے ہیں۔

یہ بچے انڈے سے نکلنے کے وقت لمبے لمبے چھوٹے کیڑوں کے مانند ہیں، بے بال و پر، یہ اپنے ضروریات زندگی اور روزی حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوتے، یہاں تک کہ وہ ان حادثوں سے بھی اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے جن سے وہ دوچار ہوتے ہیں، لہٰذا انھیں ایک سال تک اسی حالت میں کسی محفوظ جگہ رہنا چاہیے اور ان کی خوراک ان کے پہلو میں ہو، اسی لیے جب ان کی ماں محسوس کرتی ہے کہ انڈے دینے کا وقت آگیا ہے تو وہ لکڑی کا

ایک ٹکڑا ڈھونڈھ کر اس میں ایک گہرا اور لمبا سوراخ کرتی ہے، اس کے بعد روزی فراہم کرنے میں مشغول ہوتی اور ایسی نازک پتیاں، کونپلیں جن سے اس کے نومولود بچے فائدہ اٹھا سکیں ان میں سے ایک کے واسطے ایک سال کی خوراک کے برابر اکٹھا کرکے اسے سوراخ کی تہ میں رکھ دیتی ہے، پھر اس کے اوپر بیٹھ کر ایک انڈا دیتی اور بعض مخصوص لکڑیوں کے گاڑھے رس سے کچھ بلندی پر نسبتاً مضبوط چھت بنا دیتی ہے، اس کام سے فارغ ہو کر دوبارہ آذوقہ کی فراہمی میں منہمک ہو جاتی ہے، دوسرے بچے کے ایک سال کی ضروریات زندگی مہیا کر لینے کے بعد ان کے پاس بیٹھ کر دوسرا انڈا دیتی، پھر پہلے کی طرح دوسری چھت تیار کرتی ہے، اس طرح اپنے انڈوں کی تعداد کے مطابق کئی منزلہ عمارت بنا کر اپنا کام مکمل کرکے یہ مہرباں ماں مر جاتی ہے اور اس کے بچے بعد میں نکلتے ہیں، اسے کبھی نہ بھولیے کہ پوری عمر میں صرف ایک بار موسم بہار میں یہ پرندہ انڈے دیتا اور اپنے بچوں کی زندگی باقی رہنے کا بندوبست کر جاتا ہے۔"

یہی سائنسدان اس پرندے کی داستان زندگی بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

" انسان جب وقت ان مناظر کے جمال کو دیکھتا تو وہ حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ کیونکہ بعض ان حیرت انگیز چیزوں کو اتفاقات سے وابستہ قرار دیتے ہوئے چیونٹیوں کے الہامات سے لے کر انسان کے ادراکات تک کو پانی کے بصورت برف جم جانے، لکڑی کے سلگنے، اجسام کے گر پڑنے کے مثل ایک نیچرل عمل کا نتیجہ سمجھتے ہیں؟ یہ خیالات بلکہ گمراہ کن خرافات جنھیں تجرباتی علوم کے نام کے نیچے چھپایا جاتا ہے حقیقی علم کی طرف سے غلط ثابت ہو گئے ہیں۔ کیونکہ طبیعیات کا سچا عالم ہرگز ان بیہودہ اور باطل خیالات کا معتقد نہیں ہو سکتا، جب انسان ان کمزور کیڑے مکوڑوں کے حقیر بلوں کو اپنے مطالعات اور تحقیقات کا مرکز قرار دے تو وہ نہایت واضح طور پر عنایت الٰہی کی آواز کو سنے گا جو اپنے مخلوقات کو ان کے روزمرہ کے کام بتا رہی ہے۔" (رہبر سعادت)